

ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے

جسٹریل نمبر ۲۶۵

مجلس مرکزیہ الانصار بھیر وادارہ عالیہ محمدیہ کاتر جمان
ماہنامہ

شمس الاسلام

فہرست سالانہ
معاونین
عمارت
کلیہ

جلد ۱۵ بھیر پنجاب، جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ مطابق جون ۱۹۴۴ء نمبر ۶

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	قادیان کا مصلح موعود (نظم)	طاہرات	۲
۲	وفات حسرت آیات	ادارہ	۲
۳	شذرات	ادارہ	۳
۴	ایک مبلغ اسلام کی شہادت	ادارہ	۱۱
۵	ہندوستان میں اسلام کی کشتی اور وطنیت کی چٹان	ادارہ	۱۲
۶	اطلاعات	پیچر	۲۴

سرخ پشیل کا نشان

یہاں ان حضرات کے پرچہ پر سرخ پشیل کا نشان لگایا گیا ہے جسکے چندہ کی مباد
اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو چکی ہے ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ
آئندہ سال کا چندہ بذریعہ مٹی آرڈر ملدروانہ فرمائیں اگر خدا خواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری کا ارادہ نہ ہو تو بذریعہ پوسٹ کارڈ ہمیں
پہلی فرصت میں مطلع کریں خاموشی کبھی آئندہ کا پرچہ بذریعہ دی بی ارسال خدمت ہو گا جس کا وصول کرنا اخلاقی فرض ہو گا۔ (غلام حسین منچر)

(باجہ تمام غلام حسین منچر ایڈیٹر پشیل شرمو ہر پریس سرگودہ سے چھپکے بھیر پنجاب) سے شائع ہوا

“مصلح موعود” قادیاں کا

(طالوت)

نہیں دیکھی اگر تم نے کسی مطرود کی صورت
حسینوں سے سربازِ اب آنکھیں لڑاتے ہیں
براہِ قادیاں جو کعبہ جاتے ہیں تھیناؤ وہ
کبھی چھپڑا جو میں نے تذکرہ ان کی صداقت کا
تو اضع لاکھوں سے میہانوں کی جو کرتے ہیں
تو دیکھو قادیاں کے ”مصلح موعود“ کی صورت
جہاں میں آج دیکھا چاہئے محمود کی صورت
نہ دیکھیں گے کبھی بھی منزل مقصود کی صورت
تو غصے میں وہ بھکے اڑ گئے بارود کی صورت
خدا بننے کی کوشش میں ہیں وہ نمرود کی صورت

”ریاں“، ہی باندھ کر پلے وہ لوٹ آئے ہیں دلی سے
قیامت تک نہ دیکھیں گے کبھی اب ”سود“ کی صورت

وفات حسرت آیات { ہمارے رسالہ شمس الاسلام کے مینجر جناب نشی غلام حسین صاحب کی اہلیہ
محترمہ ۲۴ مئی ۱۹۷۷ء روزِ شنبہ کو بوقتِ ظہر عرصہ دراز تک بیمار رہنے کے
بعد وفات پا گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس حادثہِ جانکاہ سے جیسا کہ ظاہر ہے مینجر صاحب کو کافی صدمہ پہنچا جو
ایک پانچ سالہ لڑکی یادگار چھوڑ گئی ہیں جس کی صغریٰ سنی اور شیعہ اور بھی سوانِ روح ہے اسلئے اس حادثہِ فاجعہ میں ہم موصوف کے ساتھ
قلبی ہمدردی کا اظہار کرتے اور مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس کی دائمی خوشیاں نصیب فرمائے
اور مینجر صاحب اور ان کے دو سرشتہ داروں کو صبر جمیل اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے قارئینِ کرام سے بھی استدعا ہے کہ وہ ضرور
مرحومہ کیلئے مغفرتِ خداوندی اور مینجر صاحب کے لئے صبر و استقامت کی دعا کریں۔ (ادارہ)

شذرات

شلتوت کے کروت پر مرزا یونکی بجا خوشی

قادیانیوں کی طرف سے یہ عنوان ”وفات حضرت مسیح علیہ السلام پر علمائے مصر کا فتویٰ“ ایک ٹرکیٹ شائع ہوا ہے جس میں ایک عربی مضمون اور اس کا اردو ترجمہ ہے۔ مضمون کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مصر کے ہفتہ وار اخبار الریاسہ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۴ء میں استاذ محمود شلتوت کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ سارے مضمون میں کوئی نئی تحقیق نہیں ہے، بلکہ لفظ ”توفی“ اور ”رفیع“ وغیرہ کی وہ دُور از کار تاویلیں ہیں جو عرصہ دراز سے مرزا کی کرتے رہے ہیں۔ اور نتیجہ اپنے خیال میں یہ نکالا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ ہم اس رسالہ کی تردید کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھتے کہ وہی پُرانی باتیں ہیں جن کا جواب ہزاروں دفعہ دندان شکن مرزائیوں کو تحریر و تقریر کے ذریعہ سے دیا گیا ہے۔ اور کوئی بھی علمی اور تحقیقی نئی بات ایسی نہیں کہی گئی جس کے جواب دینے کی ضرورت محسوس ہو ہم کو مرزائیوں کی عقل و دانش پر حیرانی ہوتی ہے۔ کہ آخر شلتوت کی اس کروت میں کون سی ندرت ہے جس کی خوشی میں مرزائی آپے سے باہر ہو کر غلبیل بجانے لگے ہیں۔ اور اس مضمون کو چھاپ کر مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ ہم نے کوئی بڑا تیر مارا ہے، اور مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی زبردست اسلحہ ہاتھ لگا ہے۔

معلوم نہیں یہ محمود شلتوت کس وضع و قماش کے ”استاذ“ ہیں۔ صرف مصر میں رہنا یا عربی میں بولنا اور لکھنا کسی کی شخصیت اور اس کی حیثیت و عظمت شان کی دلیل تو نہیں

مصر کی سرزمین نیچرلوں، آزاد خیالوں اور مغربیت زدہ لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ بعض زمانہ قدیم کے معتزلہ نے سرسید نے اور اس کے حواریین نے، مرزائے، مشرقی نے حیات مسیح کا انکار کیا، ہو سکتا ہے کہ یہ شلتوت پیر فرقت بھی ان نیچرلوں اور دہریوں کی طرح آزاد خیالی کی رد میں بہہ گیا اور وفات حضرت مسیح علیہ السلام کا قائل ہو گیا ہو مسلمانوں کا دعویٰ تو یہ ہے کہ عہد صحابہ سے لے کر جہور مسلمین، صحابہ، ائمہ، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء سب کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اب تک زندہ ہیں اور قریب قیامت نزول فرمائیں گے۔ اس اجماعی اور قطعی فیصلہ کے برخلاف نہ سرسید کی دال گل سکتی ہے اور نہ مرزا کی، اور نہ کسی دوسرے شہوت شلتوت کی۔ ”حق بر زبان جاری“ خود شلتوت صاحب نے اس کو جہور کا اجماعی مسئلہ مان لیا ہے۔

وقل قسرا بعض المفسرین بل جہور ہم بالرفع الى السماء ويقولون ان الله التقى على غير شبيه ورافعه لجسد الى السماء فهو حي فيها وسيزول منها اخر الزمان فيقتل الخنزير ويكسر الصليب ويعتمدون في ذلك ادلا الخ ص ۱۰

(ترجمہ) اور اس کے منہ بعض بلکہ جہور مفسرین نے آسمان پر اٹھائے جانے کے لئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور مسیح کی شکل و شباہت ڈال دی تھی اور مسیح کو برہم آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہ وہاں زندہ ہیں اور وہاں سے آخری زمانہ میں اُترینگے۔ پھر سوروں کو مارینگے۔

اور صلیب توڑ دی گئے۔ اور یہ مفسرین اس عقیدہ کی بنیاد ان روایات پر رکھتے ہیں، الم

جب جمہور مفسرین ان آیتوں کے معنی ایسی کرتے ہیں تو بتلیئے الحاد دے دینی، دہریت و نیجیریت کے سوا اور کیا باعث ہے جس کی بناء پر شلکتوت یا اس کے ہم مشرب آزاد خیال اور خلیع العذار اس سے انکار پر تے ہوئے ہیں، اور تا دیلوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ایسے مجہول الحال شاذ و فاذ شخص کی کوئی تحریر مرزائیوں کے لئے تاغید اور خوشی کا باعث کب بن سکتی ہے لیکن ڈوبنے والے تنکے کا بھی سہارا ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ مرزائیوں کے تمام خرافات کا مکمل اور قطعی جواب ہو چکا ہے اور اب ان کی مزید سرکوبی کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے ہم اور دوسرے مذہبی ادارے ان کی ”خبر گیری“ سے کچھ خاموش ہو گئے تھے مگر شاید مرزائیوں کے پیچھے غور خارج شرمع ہونے لگی ہے اور انکی خواہش ہے کہ ان کی سرکوبی کی جلتے۔ اس لئے انہوں نے یہ ٹریکٹ شائع کر کے اور ہمارے پاس بھیج کر ”حسن طلب“ کے ساتھ ہم سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ ہماری ”تواضع“ ہر وقت ہونی چاہئے ورنہ ہمارے دماغ ٹھیک نہیں رہتے۔ اس لئے اگرچہ شلکتوت کے اس مضمون میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا جواب نہ دیا جا چکا ہو۔ لیکن مرزائیوں کی ”تواضع“ کے لئے اور ان کی سرکوبی کی خاطر آئندہ اشاعت میں اس مضمون کا مدلل و مکمل جواب دیا جائے گا۔

خون کے آنسو۔ کسی قوم کے جب بڑے دن آتے

ہیں۔ تو ان کے افراد عیاشیوں، بد مستیوں، رقص و سرود، اور طامس و رباب کے مشاغل میں منہمک رہتے ہیں۔ اجتماعی مفاد، قومی مذہبی اور ملی کاموں میں جدوجہد سے غفلت دے پڑا ہی برتا کرتے ہیں۔ آج کل مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے، ان کو ملی اور قومی ضرورتوں کا

کچھ بھی احساس نہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ساری کی ساری قوم روز بہ روز نیچے گرتی چلی جا رہی ہے مگر کسی کو اس کی پروا نہیں۔ بہت سے مذہبی اور قومی ادارے سرمایہ کی قلت کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں یا اپنا کام پورے پیمانہ پر نہیں کر سکتے۔ لیکن دوسری طرف عام حالت یہ ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں کی جیبوں سے عیاشیوں، شراب نوشیوں، جو بازیوں، بٹیر بازیوں، اور بداخلاقی کے دوسرے کارناموں کے ذریعہ لاکھوں روپیہ نکل جاتا ہے۔ سب سے زیادہ قابل حد حسرت و افسوس اور غور یہ فحشانی کا مقام یہ ہے کہ اولیاء کرام کے مقدس و محترم مزارات پر ”عرس“ کے نام سے میلے منعقد ہوتے ہیں۔ اور دنیا بھر کی خرافات، بداخلاقیوں، عیاشیوں اور خباثتوں کو ان پاک مقامات میں جا کر عمل میں لایا جا رہا ہے۔ چنانچہ گزشتہ چند دنوں راولپنڈی کے قریب بھری امام کامیلہ گذر گیا ہے یہ میلہ گویا تمام صوبہ سرحد اور شمال مغربی پنجاب کے بد معاشوں، جو بازیوں اور شیطانیوں کی سالانہ کانفرنس ہوتی ہے کہا جاتا ہے۔ کہ چودہ سو کے قریب رنڈیاں، گانے والیاں، جائل الشیطان آبرو باختہ عورتیں شریک ہوئیں، منوں شراب پی گئی، لاکھوں روپیہ رنڈیوں کی نذر ہوا۔ لاکھوں کی جو بازی ہوئی تباہ کاریوں کے اس اڈے میں کتنے ہوں گے جنہوں نے منہ کالا کیا ہوگا۔ اور نظر بازی سے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہا ہوگا۔ چوریابی ہوئیں جیب کترے گئے، حتیٰ کہ جو بازی کے سلسلہ میں دو قتل بھی ہوئے۔ ”القاتل والمقتول کلاهما فی النار“ کی حدیث کی عملی شرح ہو گئی۔ صحیح فرمایا خداوند تبارک و تعالیٰ نے سچے کلام مجید میں :-

انما یدعی الشیطان ان یوقع بدینکم العداۃ
والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن سبیل اللہ
(ترجمہ) شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے درمیان باہمی عداوت

و بغض ڈالے شراب اور چوڑا کے ذریعہ اور مکمل شد کے راستہ سے روکے۔
 غرض جو بازی، رنڈی بازی، رقص و سرود، بدکاری، نظر
 بازی، بدستی، شراب نوشی، چوری، قتل اور شیطانی افعال
 و اعمال میں سے کوئی عمل اور طاعتی خباثتوں میں سے کوئی
 خباثت ایسی نہ تھی جو ہاں نہ ہوئی ہو۔ شریک ہونے والوں
 میں وہ خواتین، ملک نمبردار بھی تھے جو جنکوں کی طرح تمام
 سال غریب کا شتکاروں، مزدوروں، اور زیر دستوں کا
 خون چوس چوس کر موٹے ہو گئے ہیں۔ اور ہزاروں روپیہ سے
 جیسے بھر کر میل میں آئے۔ اور کسی نازک اندام اور مہجین
 رنڈی کی ایک غزل اور نگا و ناز پر جیب خالی کر کے خالی ہاتھ
 واپس گئے، اور ایسے بھی تھے، جو گھروں میں فاقہ کشی والے
 محنت مزدوری سے بال بچوں کو دقت و دقت کی روٹی حاصل
 کرنے والے، مگر شیطان ان پر ایسا مستط ہے، فطرت ایسی
 کچھ بڈگئی ہے کہ بچوں کے منہ کا فائدہ چھین کر، ان کو بھوکا پیاسا
 رکھ کر شیطان کے اس دربار میں حاضری دینے کے لئے آئے
 خالی ہاتھ کی وجہ سے ”مقدس رنڈی“ کی نذر کے لئے کچھ پیش
 نہ کر سکے۔ شراب کی بوتل پی نہیں سکے، لیکن نظر بازی کی،
 دل میں تمنائیں رکھیں اور اپنی نیت خراب کر گئے۔ ظالمین
 اور مغضوبین کے مجمع میں بیٹھے۔

ان دل خراش واقعات کو سن کر دل خون ہو جاتا
 ہے اور اسی سے خون کے آنسو بے اختیار بہنے لگتے ہیں۔ یا
 اللہ العالمین۔ ہماری قوم کو کیا ہو گیا، اس کو اپنی موجودہ زندگی
 کی اور اپنی عاقبت کی فکر کیوں نہیں۔ سچ کہتا ہوں اور دعو
 سے کہتا ہوں کہ جس خان صاحب یا ملک صاحب نے کسی بازی
 رنڈی کی ایک لگاؤ ناز پر ایک میدان میں پانچ پانچ ہزار
 کی ”قربانی“ کی ہے جو بازی کے ایک ایک داؤ پر ہزار
 ہزار کے نوٹ رکھ دیئے ہیں اور ایک ہی مجلس میں سینکڑوں
 کی شراب خود پی اور دھڑکنے لگائی۔ اگر آج کل مسلمانان مہند کا

کوئی بڑے سے بڑا متقی، پرمیزگار، صاحب دل، مرد مومن
 عالم دین رہبر قوم اگر کسی بڑے مذہبی ادارے کے لئے
 مذہب و ملت کی آزادی کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ایک
 بڑی قومی مصیبت کے مقابلہ کے لئے معمولی سے معمولی چندہ
 کے لئے اپیل کرے، تقریریں کرے، تمام پہلو سمجھائے، ونبری
 اور دینی فوائد و منافع بیان کرے۔ مگر مجال نہیں کہ اس محنت
 ازلی اور طوائف کے عاشق کی جیب سے ایک پیسہ بھی نکل سکے
 کہے گا تو بس یہ کہے گا کہ لیڈر، علماء، کارکن سب سب
 چندے ہضم کرنے والے ہیں، مسلمان غریب قوم ہے مسلمانوں
 کے پاس پیسے کہاں وہ کھانے کو کچھ نہیں پاتے، چندے کہاں
 سے دیں؟

رنڈیوں کے لئے، بد معاشیوں کے لئے، آج ہماری قوم
 ممتول، سرمایہ دار، اور سیم و زر کی مالک ہے۔ لیکن مذہب
 و ملت کے لئے مفلس و خوار اور زبوں حال و تہی دست
 حقیقت یہ ہے کہ اب مسلمانوں کے قلوب میں خدا و رسول کا
 خوف نہیں، اپنی مسلمانی شان کی ذمہ داریوں اور زمانہ کی
 نزاکتوں کا احساس نہیں۔ اپنی ہمسایہ ہندو قوم کے حالات
 سے عبرت پذیری کا جذبہ نہیں، دنیا اور مافیہا سے آنکھ بند
 کئے ہوئے، یوم آخرت اور جزا و سزا کو بھولے ہوئے صرف
 ان ہی الاحیاء الدنیا نموت و فحی کے عملاً بزبان حال
 قائل ہیں۔ ساری قوم اندھی ہو کر ہلاکت کے غاروں میں گرہی
 ہے۔ اس نازک مرحلہ پر علمائے دین، رہبران قوم، ہمدان
 اسلام و مسلمین اور ذمہ دار قائدین ملت کا مذہبی، اخلاقی،
 قومی، اور انسانی فرض ہے کہ ان ”جاہل“ اور کالانعام
 لوگوں کو ہر ممکن طریقہ سے ان افعال کے بُرے عواقب سے
 ڈرائیں۔۔۔ اور اس بدترین اجتماع کو آئندہ کے لئے منظم
 ہو کر دیکھیں۔۔۔ اس سال توجہ ہونا تھا ہو گیا۔ چاہئے، کہ
 آئندہ سال کے لئے اس شیطنت کے مقابلہ کے لئے ابھی سے

صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بھی لیا جا رہا ہے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس سے مسلمانوں کے قلوب کا مجروح ہونا اور ان میں اضطراب و ہیجان کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ ہماری سینما نوازیوں اور فلم کے ساتھ عشق و محبت نے ان کمپیوٹ کو جری کر دیا کہ وہ اسلامی بادشاہوں، شاہزادیوں اور اسلامی ارکان کی فلمیں بناتے بناتے اس انتہائی مرحلہ پر پہنچ گئیں۔ جو مسلمانوں کی غیرت ایمانی اور احساس مذہبی کیلئے آخری اور کھلا چیلنج ہے۔ غیر مسلم فلم ساز کسب زراور جلب منفعت کے لئے ہماری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر

سب کچھ کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی غیرت ایمانی کا کچھ ثبوت دیں۔ اور صاف بتا دیں کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین ہم کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ایک کامیاب احتجاج کر کے حکومت برطانیہ کے واسطے سے امریکہ والوں پر یہ حقیقت واضح کر دیں۔ کہ اس نازیبا حرکت اور بے جا جرأت سے تمام عالم اسلام میں ایک غم و غصہ اور امریکہ سے عالمگیر نفرت کی لہر دوڑ جائے گی۔ جس کے عواقب نتائج امریکہ اور برطانیہ دونوں کے لئے نہایت غیر مفید ہوں گے۔

”شرفاء اور وزراء کی فلم نوازیاں“ - کچھ عرصہ قبل لاہور

کے اخبارات میں متواتر چند روز تک جلی حروف کے ساتھ ایک اشتہار ”سوہنی مہینوال“ فلم کے متعلق شائع ہوتا رہا۔ جس پر لکھا ہوا ہوتا تھا ”سرکندر حیات خاں - شہزاد الدین ملک خضر حیات خاں اور پنجاب کے دیگر معززین و شرفاء کی بیگمات نے اس کو بہت پسند کیا ہے۔“ اس فلم کی حقیقت خود اس کے عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ اس لئے ایسے معززین و شرفاء کی بیگمات کی طرف سے اس کی پسندیدگی کا کھلے لفظوں میں، اخبارات کی متواتر اشاعتوں میں اعلان یقیناً قابل

شمس الاسلام کو شش شروع کی جائے۔ راوی پنڈی اور مصنفات کے علمائے کرام، مشائخ عظام اور علمائے شہرہ سب سے زیادہ ذمہ داری تھی۔ خدا را اپنے جزئی اختلافات کو ذاتی جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر اس مسئلہ بدکاری کے روکنے کے لئے ایک ہوجاؤ۔ اس نازک دور میں جب مسلمانوں کی کشتی حیات سمندر کی تہ میں ڈوبنے والی ہے۔ آپس کی سر پھیل، اور فضول ہنگامہ آرائی کہاں کا اسلام ہے جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعی محبت ہے، اولیاء کرام سے سچا عشق ہے، بزرگوں کا حقیقی نام لیا ہے، وہ میدان میں نکل کر ایک بزرگ کے مزار سے اس شیطانی اجتماع کو منتشر کرنے کے لئے جہاد کریں، دین رسول کی، اولیاء کرام کے طریقہ کی جو علی الاعلان توہین ہو رہی ہے اس سلسلہ کو ملیا میٹ کریں۔ جن کو بدعات سے نفرت ہے جو احیاء سنت کے لئے اپنی عمریں صرف کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو حید کی اشاعت جن کا مسک و مقصد زندگی ہے، اس خدائے واحد کے واسطے سے عرض کرتا ہوں، کہ بدعات کے اس گڑھ سے ان خرافات و بدعات کو مٹا دیں، اور مشرکانہ رسوم و افعال کی مخالفت کے لئے کمر بستہ ہوجائیں، یہ صحیح ہے کہ اس شیطنت کا مقابلہ بظاہر مشکل نظر آ رہا ہے۔ لیکن اگر خلوص نیت سے، استقامت کے ساتھ، متفق و متحد ہو کر اللہ اس کام کو شروع کر دیا جائے، تو ع

مشکل نیت کہ آسماں نہ شود راستہ کے تمام کانٹے دور ہو جائیں گے اور یقیناً کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

فلم کمپنی کی نازیبا حرکت - اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا ہے۔ کہ

مالی ڈو (امریکہ) کی ایک فلم کمپنی دنیا کے بڑے آدمیوں کی فلمیں بنا رہی ہے۔ جن میں گوتم بدھ اور حضور سرور کائنات

نظم و نثر کی بغیر صرف ترجمہ کی طلب و اشاعت

بہت عرصہ پہلے کہ پروفیسر ڈی اے کے کسی کو بھی نے قرآن مجید

کا صرف ترجمہ پیش کرنا شروع کیا تھا کہ اب اس کی ضرورت میں شائع کیا تھا

میں طرح بیسیاں انہیں کے محض تراجم مختلف زبانوں میں شائع

کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت علماء نے کام سے اس فہم کو نا جائز

قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ چنانچہ اس وقت

سلسلہ ۳۷ میں مولانا اشرف علی صاحبی نے بھی اس

کی حرمیت اور سخت مخالفت کا مفصل مدلل پیکر فرمایا تھا۔ جو وہ

الغافل ہی حصہ دوم تھا پر شائع ہو چکا ہے۔ جس میں قرآن کے

وہابیہ کے فہم میں سرکرتے دس وجوہات اس طرح کے

ترجمہ کی حرمیت و مخالفت پر پیکر فرمائی ہیں

اب الہو کے کسی تا جبر کتب نے بغیر قرآنی کے بغیر صرف

ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس طرح پہلے تراجم محض تراجم کی اشاعت

علائے اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے۔ امداد الہی سے

اس فتنہ کے اس تہیال کی کو نشتر ڈنگی تھی۔ تو شاید آئندہ یہی

فتنہ عظیم ہر جا بنے گا۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ شیخ قرآن کے

اس فتنہ کا فوری انسداد کریں۔ قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر

عربی اصل عبارت کے لکھنا اور لکھنا اور شائع کرنا باجماع امت

حرام اور باطلاق ائمہ اربعہ ممنوع و ناجائز ہے۔ اور جب کو اس

کا لکھنا اور شائع کرنا ناجائز اور گناہ ہوا۔ تو اس کی خرید و فرو

بھی بوجہ اعانت مصیبت کے ناجائز ہوگی۔ اس لئے اس کا

فروخت کرنے والا و خریدنے والا گناہ گار ہوگا۔ اور لکھنے

والے، چھاپنے والے، اور شائع کرنے والے کو تو ایسے عمل کا

گناہ ہونا ظاہر ہی ہے، چنانچہ مسلمان اس کی وجہ سے گناہ میں

مبتلا ہو جائے گا۔ سب گناہ اس پر بھی ہوتا

ہے۔ گا اور خود اس کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ایسے ترجموں کا

سلسلہ بند ہو چکا ہے گا۔ اور اپنے کی صورت میں سلسلہ جاری رہے گا۔ یہی تمام مسلمانوں کے ذمہ شرعاً ضروری ہے کہ ایسے تراجم کو قبیحاً تحریر کریں اور نہ ہی پیشہ قبول کریں۔ تاکہ یہ سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ اور آئندہ کسی کو اس غلط اقدام کی جرأت نہ ہو سکے۔ مسلمانوں کی غیرت ملی اور احساس مذہبی سے توقع ہے کہ وہ علماء کے کام کے اس متفقہ فتوے کے بنا پر اس سلسلہ کو جلد از جلد ختم کرنے کی سعی کریں۔ خود بھی گناہ سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، ہم حیران ہیں کہ مودود علی صاحبیہا ذی فہم شخص بھی اپنے سنا لڑتے جان القرآن میں اردو ترجمہ عربی عبارت کے بغیر شائع کر رہا ہے۔ بالاجب

یوم صدیق اکبر۔ اپنے اکابر ملت اور پیشہ پالانین ان کی تعلیمات سے عام مسلمانوں کو باخبر کرنا اور ان کی پیروی، و اتباع کا شوق پیدا کر کے ترقی کی راہوں پر چلانا ایک اہم مذہبی فریضہ ہے۔ حضور رسول یم علیہ السلام کی ذات والاصفات کے بعد امت محمدی کی سیاسی، مذہبی اور ہر طرح کی رہنمائی اور نیابت رسول کے لئے، خیال امت، صحابہ و تابعین و انصار نے بالاتفاق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ خداوند تعالیٰ کی توفیق اور القاء و الہام سے تمام مسلمانوں کے قلوب اس بزرگوار قسین خلافت کے لئے ایک ہوئے جس کے نائب ہونے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے بحال کا اندازہ پہلے سے ہو رہا تھا، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے ایک مسلم پیشوا، اور سربراہ عظیم ہیں۔ ان کی سنت اور طریقہ کار کی اقتداء کا حکم ہمیں دربار رسالت سے ملتا ہے۔ حضور سرور و داد جہان نے ان کے اعمال و افعال کو سراہا۔ خداوند عالم نے ان کو اتقی“ اور اولوالفضل“ فرمایا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو گاہے گاہے اس مجمع ہدایت سے متفیض ہونے

رجوع کیا۔ اور رضویؒ کے ”سہارف“ میں اپنے رجوع کا اعلان نہایت مناسب و موزوں الفاظ میں کر دیا (پورا مضمون آئندہ کسی اشاعت میں درج کیا جائے گا) اس سلسلہ میں ایک اہم چیز بھی تھی۔ کہ سیرت النبی جلد سوم میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج پر جو بحث کی ہے۔ اس میں اگرچہ مولانا نے معراج جہانیاں اور معراج روحانی دونوں قسم کے قائلین کے دلائل اعلیٰ کئے ہیں۔ لیکن اس کے مطالعہ سے ڈھنسنے والے پر اثر بھی ہوتا ہے کہ مولانا مذہبی معراج جہانیاں کے قائل نہیں اور معراج روحانی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ جمہور اہل کاسک یہی چلکار ہے۔ کہ واقعہ معراج جہانیاں ہے۔ نہ مناسی ہے اور نہ روحانی اس لئے مولانا مذہبی کی دھماکی بحث بھی اس لئے محل نظر تھی کہ اس سے زائغین فائدہ لیتے اور اس کو اپنی تائید میں پیش کر کے معراج جہانیاں کا انکار شدت سے کرتے۔ الحمد للہ کہ حضرت مولانا مذہبی نے اس سلسلہ میں بھی اپنے رجوع الی الحق کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ رسالہ ”سہارف“ ماہ جولائی ۱۹۷۲ء میں ایک سائل کے جواب میں معراج کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

دوسرا گروہ جو جمہور علماء کا ہے اس کا خیال ہے

کہ یہ واقعہ بیداری میں ضمیر و روح کے ساتھ پیش آیا۔ اور آپ کو آپ کے اسی غرضی جسم کے ساتھ آسمانوں کی مسیر کرائی گئی۔ اور اس م

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔

مجھے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تیسری جلد کے لکھے وقت جمہور علماء کے دعوے کی دلیل قرآن پاک سے معلوم نہیں ہوتی تھی۔ امام طبری سے لے کر امام رازی تک لفظ عبد استدلال کیا تھا کہ قرآن پاک نے سبحان

کی تبلیغ کی جائے۔ اور ان کے عبادت گاہاں بے نظیر قرآنیات، سیرت و کردار اخلاق حسنہ، پیش کر کے ان کے سینوں کو نور ایمانی سے بھر دیا جائے۔ تاکہ دلائل حق جو شعل، اور جذبہ صادق پیدا ہو۔ اور وہ سیرت صدیقی کو چراغ راہ بنا کر موجودہ ظلمت کہ حیات میں شاہراہ ترقی پر گامزن ہوں۔ اس لئے مجلس مرکز پر حزب الانصار کی طرف سے تمام مسلمانوں کی خدمت میں اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر جگہ ہر شہر و قصبہ میں ۱۲۰۰ ہجادی اثنائے جمعہ ہو کر عید صدیق، منائیں۔ نہایت ذوق و شوق سے ایک مرکزی مقام پر جمع ہو کر جلسے کریں۔ جس میں صحیح روایتوں سے ثابت شدہ آپ کی سیرت و اخلاق و کارنامہ نے زندگی پر دلور انگیز تقریریں ہوں۔ اور مسلمانوں کو ان کی پیروی و اقتداء اور ان کی تعلیمات پر کاربند ہونے کی تلقین و تبلیغ کی جائے۔ امید ہے کہ تمام مسلمان اپنے فرائض و عبادت کو سرگرمی سے کرتے ہوئے شاندار جلسے منعقد کریں گے اور اس یوم صدیق کو ہر طرح کامیاب کریں گے۔ خداوند تعالیٰ سب کو توفیق دے۔ آمین

مولانا سلیمان صاحب دہلوی کا رجوع الی الحق

مولانا سلیمان صاحب دہلوی ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین اور بلند پایہ مصنف ہیں۔ سردار و عالم صلی علیہ وسلم کی سیرت نگاری نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ماضی قریب قبل کی تصانیف میں مختلف مواقع پر ان کی زبان قلم سے بعض مسائل ایسے نکل گئے ہیں جو جمہور اہل سنت کے مسک کے خلاف اور اس لئے عام طور سے بجا قابل قبول ہیں۔ ایسے مستند عالم دین اور محقق کے قلم سے ایسی باتوں کو نکلتے ہوئے دیکھ کر کلفت ہوتی تھی۔ الحمد للہ کہ ایک ”مرد حق“ کی نگاہوں کی برکت، تربیت و علاج سے مولانا مذہبی نے اس قسم کے تمام مسائل سے

کر دیا۔ (معارف جولائی ۱۳۵۶ء ص ۶۷-۶۸)

چنانچہ سیرت النبی جلد سوم کی تیسری جلد کے دوسرے ایڈیشن میں یہی عبارت بڑھائی دی گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب اس کے بعد بے دینیوں کو معراج جہانی کے انکار کے لئے مولانا ندوی کا نام پیش کرنے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔

واقعہ یہی ہے کہ کوئی شخص کتنا بڑا اور محقق کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی وہ رائے جو جمہور اہل سنت کے خلاف ہو۔ ہم قبول نہیں کریں گے۔ اور آخر کار مخلص و نیک دل لوگ ہمیشہ جمہور کی رائے کی طرف رجوع کر ہی لیا کرتے ہیں۔ اس رجوع سے جناب مولانا ندوی کی نیک نیتی اور صاف باطنی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کے بعد حق کی طرف رجوع کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں اور صاف اعلان شائع کریں۔

دارالعلوم عزیزیہ کی امداد و اعانت۔

اس دور الحاد و فرنگیت اور دین مذہب سے عوام بے اعتنائی کے پراشتوب زمانہ میں عربی مدارس و مکاتب حقیقۃً اسلام کے محفوظ قلعے اور سرحدی چھاؤنیاں ہیں مسلمانوں کو اسلامی شعائر و روایات اور شرعی تہذیب و تمدن پر باقی رکھنے والے اور اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے والے یہی کبیل پوش اور غریب الدیار طالب علم ہوتے ہیں جو ان مدارس میں تعلیم پانے اور عالم بن کر کھ قیم کے سامنے صحیح مذہب پیش کرتے ہیں۔ لہذا ان مکاتب و مدارس کے بقا و حیات کے لئے کوشش کرنا۔ اور ہر طرح سے ان کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے امداد و اعانت کرنا مسلمانوں کا اولین فریضہ ہے۔ افسوس کہ آج کل متمول اور سرمایہ دار طبقہ دین سے بے اعتنائی برت رہا ہے۔ دنیا بھر کی فضولیت،

الذی اسوی بعدہ کلیلًا (پاک ہے وہ ذات جرات کو اپنے بندہ کو لے گیا) کیا ہے اور عبد کا اطلاق تنہا روح پر نہیں ہوتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ جسم و روح دونوں کے ساتھ یہ شانہ سیر آسمانی ہو۔ مجھے اس دلیل سے تسکین نہیں ہوئی۔ اور میں نے دوسری آیت پیش کی ہے یا ایتھا النفس المطمئنتہ ارجعی الی ربک ما اصابنی من ضیغۃ فادخلی عبادی وادخلی جنتی (اے مطمئن روح اپنے رب کے پاس لوٹ جا۔ تو رب سے خوش اور تیرا رب تجھ سے خوش۔ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں جا چلی جا) اس آیت میں دیکھیے، کہ رُوح (نفس) کو بندوں میں شمار کیا ہے۔

لیکن بحمد اللہ کہ چند سال کے بعد مجھ پر جمہور کی رائے کی صداقت کی ایک واضح دلیل بطور اصول کے منکشف ہو گئی جو بالکل صاف اور واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں بلکہ ہر قول چال میں جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے اور اس کے بیان کرتے وقت خواب کی تصریح نہ ہو تو حسب محاورہ اس کے صرف یہی معنی ہوں گے۔ کہ یہ واقعہ بہ حالت بیداری پیش آیا۔ اور وہ بھی جسم کے ساتھ۔

اب دیکھیے۔ کہ قرآن پاک میں اسماء کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ اس میں خواب یا روح کا ذکر مطلق نہیں ہے۔ اس لئے انسانی محاورہ میں بلا شبہ یہ سیر آسمانی اور یہ مشاہدہ بحالت بیداری اور جسم و جان کے ساتھ پیش کیا۔

اس اصول کے سمجھ میں آجانے کے بعد میں نے فقر کے تمام موجودہ نسخوں میں اس کی تصحیح کر دی۔ یعنی اس دلیل کا اضافہ کر کے بات کو صاف

لغویات کے لئے تو ان کے جٹ میں گنجائش مکمل کی جاسکتی ہے لیکن کسی مذہبی ادارے کے لئے اور دینی مکتب کے لئے کچھ دینے کے لئے ان کی جیبیں خالی ہو جاتی ہیں۔ لیکن خیر اس دورِ بے اعتنائی میں بھی بعض اصحاب خیر ایسے مل جاتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اشاعت اور مذہبی اداروں کی تقویت کر دیتے ہیں۔ اور ان کی امداد و اعانت سے مدرسے جاری ہیں۔ دارالعلوم عربیہ جامع مسجد بھیرہ عرصہ چودہ سال سے مجلس حزب الانصاف کے امیر محترم مولانا ظہور احمد صاحب بگوی کے زیرِ اہتمام جاری ہے جس سے سینکڑوں طالب علم علوم دینیہ پڑھ پڑھ کر عالم بن کر نکلے اور آج ان سے ہر علاقہ کے مسلمان مستفید ہو رہے ہیں۔ مدرسہ کا تمام کاروبار عام مسلمان بھائیوں کے چند دن امداد و دل سے چلتا رہتا ہے۔ اس کے لئے مستقل جائیداد وقف وغیرہ کوئی نہیں۔ موجودہ اقتصادِ مشکلات کی وجہ سے مدرسے کا خرچ پہلے کی نسبت چند در چند زیادہ ہو گیا ہے۔ تمام طالب علموں کے کھانے پینے، رہائش اور کتابوں پر اس دورِ گرانی میں جس قدر خرچ پڑ سکتا ہے اس کا اندازہ قارئین کرام

خود بخوبی کر سکتے ہیں ان اخراجات کا پورا کرنا عام مسلمان بھائیوں کے ذمہ ہے۔ دارالعلوم عربیہ قوم کی امانت ہے مہتمم صرف اس امانت کی نگرانی کرنا اور اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لہذا مجھ کو قوم کو توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ اس سخت ترین دور میں اپنے اس مذہبی ادارے کی خبر گیری کریں اور ہر طرح سے امداد و اعانت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ صاحب استطاعت حضرات صدقات و خیرات کے رقوم اور نیز زکوٰۃ و عشر کی رقمیں مہتمم صاحب کے نام بھیج کر اس مدرسہ کی کفالت کریں، امید ہے کہ تمام ارباب خیر ہماری اس خیر خواہانہ گزارش پر اپنی توجہات مبذول فرمائیں گے۔ اور مدرسہ کی پیش از پیش اعانت کر کے جوش مذہبی احب خدا و رسول اور زندہ دلی کا ثبوت دیں گے، تمام رقوم مہتمم مدرسہ عربیہ مولانا ظہور احمد صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ۔ ضلع سرگودھا کے نام آنی چاہئیں۔ مال زکوٰۃ کے ساتھ یہ لکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔ تاکہ خاص اسی مصرف میں خرچ ہو۔

ایک مبلغِ اسلام کی شہادت

۲۶ مئی کے اخبارات سے یہ خبر معلوم کر کے ہمیں حد درجہ صدمہ ہوا۔ کہ پنڈی گھیب ضلع الہک میں کسی ظالم شخص نے

مجلس احرار اسلام کے مشہور رہنما مولانا گل شیر خان صاحب کو شہید کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

تفصیلات ابھی تک معلوم نہیں ہو سکیں۔ اس لئے اس دردناک واقعہ پر اظہارِ رائے نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا مرحوم نہایت مختص نہایت خوش بیان، اور نہایت اُن تھک مبلغِ اسلام تھے۔ دیہات میں خصوصیت کے ساتھ آپ نے اصلاحی کام بہت کیا۔ انڈیا اس ظالم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرے جس نے مسلمانوں کی اس قیمتی امانت پر دستِ بزدلی کیا۔ مولانا مرحوم کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور ان کے احیاء بلند کرے گوشت کا فرض ہے کہ وہ تحقیقات کر کے قاتل یا قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک پہنچائے (ادارہ)

ہندوستان میں اسلام کی کشتی وطنیت کی چٹیان

(ادارہ)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
دِينَ بَرٍّ - تَاكِدْ اُوپر رکھے اس کو ہر دین سے (فتح ۴)

دین اسلام ایک کامل و مکمل نظام حیات اور عالمگیر قانون ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ”ہدایت“ ہے جو تمام بنی نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے اس نے اپنے آخری رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علی آہ وسلم کے ذریعہ بھیجی تمام ”دینوں“ دوسرے مذہبوں، اور دوسرے نظاموں پر یہی ”دین“ غالب ہے، بالآخر ہے، اس لئے کہ یہ ”دین الحق“ ہے۔ یعنی ثابت ہے، اور جو ”ثابت“ ہو اسے ثابت ہو کر ہی رہنا ہے، اور دوسرے باطل ہیں اور باطل ہوتا ہے وہ جو نہ سکے، جو ٹٹنے ہی کے لئے ہو، فنا ہی کے لئے ہو۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ رب العالمین کی طرف سے مرحمت للعالمین کے ذریعہ ”عالمین“ کے لئے تاقیام قیامت آخری پیغام ہے اس کا مرکز ہدای للعالمین اور اس کی کتاب ”ذکر للعالمین“ ہے اور عالمگیر قانون خداوندی ہونے کی وجہ سے اسلام ہمیں خلوت و خلوت و دنوں کے احکام بتلاتا ہے۔ جس طرح اطوار عبادات اور زہادانہ زندگی کے بارے میں ہماری صحیح رہنمائی کر کے کبھی اس راستہ سے خدا تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اسی طرح معاملات، سیاسیات اور عرصہ حیات کے دوسرے تمام شعبوں میں ہمارے لئے

چراغ ہدایت اور مشعل راہ بنا اور بركات وسعادت کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اس لئے ”غیر مسلم“ قوموں کے پڑوس میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ جس طرز و طریقہ سے بسر کرنی ہے اس کے قوانین بھی ہمارے لئے منضبط موزوں ہیں۔ اسلام ہمیں غیروں کے ساتھ رواداری، الطغش و مدارا، رفق و نرمی کی تو تعلیم دیتا ہے۔ لیکن اس کو ”مرد مسلم“ کی مدامت، ہرگز پسند نہیں، اس کو یہ ہرگز گوارا نہیں، کہ اسلام کا ایک نام لیا کسی غیر قوم کے شعار کو، اس کی تہذیب و تمدن کو، اس کی معاشرت و رسوم کو قبول کرے اس قسم کی چیز تیات بھی چونکہ ذہنی معروبیت اور کیرکڑکی کمزوری اور جذبہ صادقہ کے فقدان کی علامت ہوتی ہیں اس لئے اس قسم کی معمولی اور ظاہر حقیر سی لغزش بھی آئین اسلام کی رو سے سخت ترین جرم اور موجب عتاب ہے من تشبہ بقوم فهو منهم، یا ایہا الذین امنوا ان تطیعوا فریقاً من الذین اتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم کافرین، اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ لوگ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا یا ایہا الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنبذوا خاصین (ال عمران)، اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو کفر کی طرف الٹا پھیر دیں گے تو پھر تم ہر طرح ناکام ہو جاؤ گے، چپ مدارات اور موالات کی حقیقت میں بڑا

اسلام میں مہنت کی گنجائش نہیں۔
 آج کل عام طور سے ایک فقرہ مشہور ہو چلا ہے کہ
 اسلام میں اس قدر تنگ نظری نہیں۔ اسلام کا دائرہ
 اس قدر تنگ نہیں یہ صرف مولویوں نے اپنی طرف سے
 گھڑ لیا ہے۔ بات بات پر ٹوکتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ یہ
 روا نہیں۔ یہ گناہ ہے وہ حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر بھائی
 ہم کب کہتے ہیں کہ اسلام کا دائرہ اس قدر تنگ ہے بل
 یہ کہتے ہیں اور اس میں ہم بالکل حق بجانب ہیں ہمارے
 پاس دلائل و براہین ہیں۔ قرآن مجید کی آیات بینات
 احادیث کی روایات صحیحہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ
 علیہم اجمعین کا طرز عمل کہ مذہب اسلام کے لئے ایک دائرہ
 تو ہے۔ ایک حد بندی ضرور ہے۔ اور ایسی صورتیں بھی
 ہوتی ہیں کہ وہ اس دائرہ کے اندر نہیں بلکہ وہ اس دائرہ
 کے محیط سے باہر ہیں۔ اب اگر کوئی اس حد بندی اس خط
 محیط سے تجاوز کر جائے اور ان امور کا ارتکاب کرے جو
 اس دائرہ کے باہر ہیں تو پھر یہ کہنا کیا سونی صدی صحیح
 نہیں کہ وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوا۔ اور اس
 کہنے والے کو تنگ نظر یا تاریک خیال مولوی کے نام سے
 یاد کرنا خود اپنی حماقت پر مہر تصدیق ثبت کرنا نہیں تو اور
 کیا ہے۔

تلك حد ود الله فلا
 تعتدوها، ومن يتعد
 حد ود الله فاولئك
 هم الظالمون ۵
 (بقرہ)

یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم
 ان سے باہر مت نکلا۔ اور
 جو شخص خدائی ضابطوں سے
 نکل جائے سو ایسے ہی لوگ
 اپنا نقصان کرنے والے ہیں
 جو شخص اللہ و رسول کا کہنا
 نہ مانے گا۔ اور بالکل ہی اس
 کے ضابطوں سے نکل جائے
 گا اس کو آگ میں داخل
 (شاء)

فرق ہے۔ ہمیں مدارات کی تو اجازت مل گئی ہے۔ لیکن موائلا
 ہمارے لئے قرآنی آیات محکمات کی بنا پر ممنوع، لا
 تتخذوا الیھود والنصارى اولیاء (مائدہ) اور لا
 یقخذ المؤمنون الکافرین من دون المؤمنین
 ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ (آل عمران)
 اگر غیر مسلم اپنے چند عقائد و اعمال چھوڑ کر بدلہ میں ہم سے کچھ
 ترک کرنا چاہتے ہوں۔ تو ہم میں یہ رواداری نہ ہونی چاہیے
 کہ ہم اس کو تسلیم کر جائیں۔ اور صرف اس قدر پر جی خوش
 کر کے اپنے قوانین کو توڑیں کہ تباہی میں مقابل سے بھی کفر
 کے چند بتوں کو تو ہم نے توڑ دیا۔ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ بت پرستی کی نسبت اپنا تخت
 رویہ ترک کر دیں اور ہمارے معبودوں کی تردید نہ کریں۔
 ہم بھی آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور و طریق
 اور مسلک و مشرب سے متعرض نہوں گے۔ ممکن تھا کہ ایک
 مصلح اعظم، جنت للعالمین رفیق و ملاطف کے پیکر کے
 دل میں جو ”خلق عظیم“ پیدا کیا گیا تھا نیک نیتی سے خیال
 آجاتا کہ تھوڑی سی نرمی اختیار کرنے اور ڈھیل دینے سے
 کام بتا ہے تو برائے چند سے نرم روش اختیار کرنے میں کیا
 مضائقہ ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے پہلے سے متنبہ فرما دیا۔
 فلا تقطع المکذبت ۵ ”آپ کہا مت مانیں
 ودوا لودھن ۵“ ان جھٹلانے والوں کا۔
 فیلھنوں ۵ (القلم)
 کہ کسی طرح تو ڈھیلہ ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں۔
 یعنی آپ ان ”مکذبین“ کا زور لے کر مصلحت
 لوگوں کی بات نہ مانئے۔ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلہ
 کرنا ہے ایمان لانا اور صداقت کو قبول کرنا نہیں، آپ کی
 بعثت کی اصلی غرض اس صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔
 یعنی ”خدا کی تعظیم“ کو بت پرستی کی مخالفت کر کے
 کے تباہی میں اللہ کو منظور نہیں اور یہ مہنت ہے۔ اور

کریں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کو ایسی سزا ہوگی جن میں ذلت بھی ہے۔

”فرانخ وارے والے“ اسلام کی مقدس کتاب میں بتایا گیا کہ ”حدود اللہ“ بھی ہیں یعنی خدائی ضابطے بھی کچھ ہیں۔ کہ بعض امور کا ارتکاب ان حدود سے نکل جانا قرار دیا جاتا ہے اور اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ اور ذلت کا عذاب ہے۔

غرض اسلام میں اس بات کی گنجائش ہرگز ہرگز نہیں کہ کوئی شخص خواہ عقائد میں تبدیلی کرے، زبان سے کفریہ کلمات بکارتے۔ اپنے کو ازسرنو پانچاخیار کے رنگ میں لپیٹا رنگے کہ اس کی حالت زبان حال سے صاف صاف بتلا رہی ہے کہ اس نے اپنے دل سے مذہب کو رخصت کر دیا ہے، مگر پھر بھی وہ اس لئے مسلمان ہے اور اسے مسلمان سمجھا جائے کہ وہ ایک مسلمان گھرانے کا فرد ہے یا اس کا نام عبدالرحمن وغلام محمد ہے۔ کوئی ”لال“ ”رام“ یا سنگھ نہیں، چند بنیادی چیزیں ایسی ہیں جن پر کفر و اسلام کا دار و مدار ہے اگر ان میں سے ایک میں بھی خلل اندازی کی گئی۔ تو بس اپنی عاقبت خراب کر دی، جو لوگ یقولون نومن ببعض و تکفر ببعض ویبذلون ان یخلفوا بین ذلک سبیلا (کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر ایمان لاتے ہیں، اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے اولئک هم الکافرون حقا (ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں)

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی اور میں اپنے کو جذب کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اوروں کو دعوت دیتا ہے۔ کہ وہ آکر اس روشنی کے فریضے اپنی فلاح کی راہ ڈھونڈیں۔ اپنی تہذیب پھیلانا چاہتا ہے۔ دوسروں کی تہذیبوں سے متاثر ہونا نہیں چاہتا۔

ہندوستان میں بہت سی قومیں باہر سے آئیں مگر

یہاں آکر ہر ایک نے اپنی خصوصیت کو کھویا۔ اور یہیں جذب ہو گئیں، ہندو قوم اور ہندو مذہب ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے لئے کوئی جامع اور ضابطہ نہیں۔ ہندو بچہ جب ہندو کے گھر میں پیدا ہو گیا اب وہ جو کچھ بھی بنے مگر ”ہندو“ ہی رہے گا۔ اس کے لئے خاص عقائد و عبادات اعمال و اخلاق، رسوم و شعائر کی حد بندی نہیں کہ ان حدود سے خارج ہونے کی صورت میں وہ پھر ”ہندو“ نہ رہ سکے گا۔ سادھو ہو، بھیا ہو، گائے کی پوجا کرے یا نہ کرے مندر میں کبھی جائے یا نہ جائے، بت کے سامنے سرنگوں ہو یا نہ ہو، خیالات کے لحاظ سے نیشنلسٹ ہو یا سوشلسٹ یا کمیونسٹ یا اور کچھ، مگر تمام صورتوں میں وہ ”ہندو“ ہی ہے۔ مادر زاد ننگا سادھو یا ”دھوتی پر شاد“ کوٹ پتلون پہنے اپ ٹوڈیٹ مسٹر ہو، سر پر گاندھی کیپ یا ہیٹ، پگڑی باندھے ہو یا ننگے سر پر حال وہ ”ہندو“ ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے خود ایک ”بڑا ہندو“ کہہ رہا ہے۔

ہندومت کے دائرے میں بے حد مختلف

اور متضاد خیالات اور رسوم داخل ہیں اکثر

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندومت پر صحیح معنی میں

لفظ مذہب کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے

کہ ایک شخص حکم کھلا خدا کا منکر ہو (جیسے قدیم

فلسفی چاروک) لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ

یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانوں

میں پیدا ہوئے ہیں وہ چاہے کتنی ہی کوشش

کریں ہندومت ان کا بیچیا نہیں چھوڑتا۔ میں

برہمن پیدا ہوا تھا اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں

چاہے مذہبی اور سماجی رسوم کے متعلق میرے

خیالات اور اعمال کچھ ہی ہوں۔

(پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری

پس ہندوؤں کا کوئی خاص مذہب نہیں، ان کی تہذیب و تمدن نہیں، کوئی مخصوص بنیادی معاشرت نہیں۔ لہذا وہ ہر قوم کے ساتھ یہ آسانی تبادلاً کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ تبادلاً کر کے اوروں کو تو بگاڑ سکتے ہیں اور ان کا کچھ بگاڑنا ہی نہیں، کیونکہ ان کے پاس جب پہلے سے کوئی ایسی خاص شے نہیں جو ان کی مخصوص و ممتاز چیز ہو، جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور یہاں ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ کچھ لوگ یہاں کے تو مسلم ہو گئے اور ہندوؤں کے سایہ برسیہ مسلمانوں کی آبادی بھی ہونے لگی۔ تو ان ہندوؤں نے مسلمانوں کو بھی متاثر کرنا شروع کیا۔ اور کچھ خود متاثر ہونے لگے۔ اور باوجودیکہ اسلامی اصول کی رو سے مسلمانوں کے لئے سخت حد بندیوں موجود تھیں۔ مگر ایک ساتھ زندگی گزارنے اور شب و روز کی نشست و برخاست کی وجہ سے بہت سی ہندوانہ رسومات، غلط تخیلات، وہمیات اور شرک آمیز عقائد مسلمانوں میں پھیل گئے، اور یہ احساس بھی نہ کیا گیا کہ یہ ہم اوروں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ بلکہ آج تک وہ رسم و رواج اس قدر سوخ حاصل کر چکے ہیں۔ کہ ان میں سے اکثر کو اب مسلمان ایک اسلامی حکم اور دین سمجھے ہوئے ہیں، اور ان بدعات کو شریعت کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ اور جو کوئی اس کے خلاف لب کشائی کرتا ہے، اس کو آزمائشوں کا تختہ مشق بننا پڑتا ہے۔

مگر اس قدر تاثر و تغیر کے باوجود اسلام کے اساسی اور اصولی عقائد چونکہ نہایت مضبوط و مستحکم ہیں، اور مرکز اسلام کعبۃ اللہ اور روضہ مطہرہ کے ساتھ مسلمانوں کا روحانی رشتہ بندھا رہا ہے۔ اس لئے ان جزئی خرابیوں کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کی تمام قوم کروڑوں ہندوؤں میں جذب نہ ہو سکی، مسلمان حکمرانوں کی ہندو رعایا عام طور سے تو زیر حکومت تھی۔ لیکن مختلف ریاستوں کے راجہ وقت بہ وقت بغاوت و سرکشی کرتے رہتے۔ اور مناسب موقع ملنے

پر ہندو مقابلہ کرنے کے لئے نکلنے کی کوشش کرتے رہتے۔ اور ملک کے کسی نہ کسی گوشہ میں گڑ بڑ برپا ہوتی۔ اس لئے ”اٹلیس“ نے مسلمانوں کو مٹانے اور ہندوؤں کو کفر میں داخل کرنے کے لئے ایک سیاسی نکتہ پیش کر کے اپنا کام کرنا چاہا۔ اور یہ سمجھا دیا گیا کہ اگر ہندوستان میں رہتے ہوئے متحدہ قومیت اور مخلوط مذہب سے کام لیا جائے۔ تو شاید اسی سے دیر پا اتحاد قائم ہو سکے، اور ہندو اور مسلمان یکجا رہ سکیں۔ چنانچہ پہلے پہل علاء الدین خلجی کے ہلی کوشش۔ دماغ میں اس تخیل کے بٹھانے کی کوشش کی گئی، اور بادشاہ کو آمادہ کیا گیا کہ وہ ایک ایسا نیا مذہب جاری کرے، جس میں تمام ہندوستانی مذہب کی اچھی باتیں لے لی گئی ہوں اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ یہی طور سے اس میں یہ فوائد و منافع حاصل ہوں گے۔ غالباً ضیاء الدین برہنہ نے اس کے اور دوسرے وزراء نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اور وہی طور سے اس خیال کے قبائح و مضار بیان کر کے اس کو روکا۔ بادشاہ نیک دل تھا صرف جہالت و نادان افقی کی وجہ سے شکار ہونے لگا تھا، اس لئے جلد متنبہ ہو گیا۔ اور اس وقت یہ ”متحدہ قومیت“ بن نہ سکی۔

دوسری کوشش۔ پھر جب اکبر کا دور آیا۔ اور اس کو ابو الفضل د

فیضی جیسے بھانڈے۔ یہ دونوں ”تعلیم یافتہ“ بھائی گویا اُس زمانہ کے ”پی ایچ ڈی“ اور ڈاکٹر و پروفیسر قوم کے لوگ تھے۔ انہیں مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور دماغ نکتہ شکن تھے، انہوں نے جاہل اکبر کو سیاسی نکات سمجھا کر اس ”متحدہ قومیت“ کی تشکیل اور مخلوط ”مذہب“ کی تدوین پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مدین الہی کے نام سے اکبر کا دین جو کفریات کا مجموعہ تھا شائع ہوا۔ متحدہ قومیت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے ہندو راجاؤں کی

ہلاکت تھی کہ وہ ایک دائرہ اور حد بندی کے اندر رہتے پر شرعاً مجبور ہیں اگر رواداری اور اتحاد کے جذبہ میں کہیں وہ ان حدود شرعیہ سے تجاوز کر جائیں، تو وہ تجاوز پھر رواداری نہیں بلکہ مداخلت قرار دیا جاتا ہے اور یہ ان کے لئے ہلاکت ہے۔ اور ہندوؤں کے لئے جب کوئی جامع حد بندی نہیں ہے وہ تو جو اپنے کو ہندو کہے وہ ہندو ہے اس لئے وہ اگر اس سلسلہ میں ہاتھ بڑھا بھی دیتے تو ان کے مذہب پر کوئی خاص اثر اندازی نہ ہوتی۔

چوتھی کوشش

اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں کلکتہ میں رام موہن رائے نے برہمن سماج کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے اصول یہ قرار دئے گئے کہ تمام بائبلان مذاہب کی کیمیا عزت کی جائے۔ اور سب کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا جائے اس کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو

بیٹیاں شاہی محلات میں ”بیگمات“ بنیں۔ اور اکبر اور شاہنوازے ان سے متمتع ہوتے رہے۔ جب ہندوؤں کا کوئی مذہب نہیں تو انہیں مسلمانوں کو ”شدھ“ کرنے کے لئے لڑکیاں حوالہ کرنا کوئی بڑی قربانی نہ تھی۔ تمام مذاہب میں سچائیاں موجود ہیں۔ یہ دعوے تھا۔ اور ان ”سچائیوں“ کو لے کر یہ اکبری فتنہ بنایا گیا۔

تفصیلات میں جانے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ فی الحال ہمیں اس فتنہ کی پوری تاریخ بیان نہیں کرنی پڑے اور نیز وہ ایک روشن حقیقت ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس اکبری کفر والحاد کی سرکوبی کے لئے حضرت مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا۔ اور ان کی برکات سے جہانگیر و شاہجہان کی اصلاح ہوئی اور حتیٰ کہ اس اکبری تخت پر حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ عیسائی اور صحیح مسلمان جلدوہ افروز ہوا۔ غرض **ابوالفضل** و فیضی صبیحہ ”روشن دماغوں“ اور ”بیگمات شاہی“ کی دوسرہ اندازیوں سے اکبر نے متحدہ قومیت کی وہ سکیم بنائی جس کی وجہ سے ہندو مسلم کے تمام ”حجبات“ اٹھ گئے تھے اور باہم بالکل ”شیر و شکر“ ہو گئے تھے۔

من تو شدم تو من شدی !

تاکس نکوید بعد ازین من دگیم تو دگیری

تیسری کوشش

ہوئے سامنے آتے رہے۔ اور کبھی ہندوؤں ہی میں سے کچھ لوگ علم اصلاح بلند کرتے ہوئے اور اپنے کو مسلمانوں کے قریب ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو شکار کرنے کے لئے نمودا ہوتے رہے، کبیر پنچھی، نامک پنچھی، وغیرہ وغیرہ سب اسی نوع کی تحریکیں تھیں، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں ملانے کے لئے اٹھائی گئیں، یہ عرض کر چکا کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کا قدم آگے بڑھانا ان کے لئے تو اس سلسلے ایک

اس موقع پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلامی اصول کے لحاظ سے کسی دوسرے مذہب کے بانی یا معبودان باطل کو سب و شتم سے رک جانا اور ان کی بدگوئی نہ کرنا اور شتم ہے۔ اور ان کی عزت و احترام یہ اور شتم ہے ہمیں تو یہ حکم دیا گیا **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ** کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور جن چیزوں کو یہ کافر پرکار نے ہیں۔ ان کو تم برا بھلا مت کہو۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہماری نگاہوں میں ان کی کوئی عزت ہے بلکہ صرف اس لئے کہ **فی سبوا اللہ عدا وایغیر علم** کہ وہ اپنی جہالت سے تمہارے معبود و برحق اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر جائیں گے۔ پس کسی غیر مسلم قوم کے مذہبی پیشواؤں کو ہم بُرائی سے یاد نہ کریں گے لیکن ہمارے دلوں میں ان کی عزت ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں گے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے ،
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(تحفہ گوڑٹویہ صفحہ ۲۷)

اس سے مقصد ایک طرف تو یہ تھا کہ انگلیز آقاؤں کو اپنی
طرف سے کلی اطمینان دلایا جائے۔ کہ گورنمنٹ کی خدمت
میں کس تن دہی اور جانفشانی سے کر رہا ہوں اور مسلمانوں
کے دلوں سے جہاد کا خیال اب نکال رہا ہوں۔ جس خیال کے
رہنے ہوئے اور اس کو مذہبی فرض کا عقیدہ رکھتے ہوئے مسلمان
انگریز کے لئے ہر وقت ”خطرناک دشمن“ ہے۔ اور دوسری
طرف برادران وطن کو بھی دعوت دی جا رہی ہے کہ مسلمانوں
کے جس جذبہ سے ہمیں ڈر لگا رہتا ہے میں اس جذبہ کے
فنا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ اس لئے تم میری
خدمات کی قدر کرو۔ اور میرے اس رو بہانہ مذہب میں جس
میں عقائد کی سوداگری کا باز اگر کم ہے چلے آؤ۔ ہندوستان
میں سینکڑوں ہندوؤں کے ساتھ دیوار بہ دیوار رہتے ہوئے
بھی مسلمان جو اپنی ہستی کو مٹانے کے اور کروڑوں ہندوؤں
نے ان کو اپنے میں جذب کرنے میں کامیابی حاصل نہ کی۔ اس
کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کا روحانی رشتہ اپنے
مرکز حجاز کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ مسلمانوں کے قالب اگرچہ
یہاں تھے مگر دل مدینہ منورہ کے روضہ اطہر اور مکہ معظمہ کے
حرم مقدس کے ساتھ، کشمیر کے مرغزاروں اور گنگا جنا
کی وادیوں کے سبزہ زاروں میں بھی ان کا میلان حجاز
کے رنگستانوں کی طرف زیادہ تھا۔ اور ہزاروں میل کا سفر
طے کر کے اور راستہ کی صعوبتیں برداشت کر کے اس مرکز
پر حاضر ہوتے تھے اور اس لحاظ سے تمام دنیا کے اسلام کے ساتھ

شمس الاسلام مذہبی طور سے ایک کر کے مخلوق بنائی جائے۔

پانچویں کوشش پھر مرزا جی ”تشریف“ لائے
اور انہوں نے یکدم اپنے کو
محدث، مجدد، مہدی، مسیح، نبی، کرشن، رام، اور
غرض سب کچھ کہا۔ اس کو بھی اپنا اتو سیدھا کرنا تھا۔
اس کو اسلام سے کچھ سروکار نہ تھا اس لئے اس نے عقائد کا
تبادلہ اور سوداگری شروع کی۔ اور اس تجارتی معاملہ کا
عام اعلان کر دیا،

ہندو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان لیں
تو میں سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط
کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم احمدی سلسلہ کے
لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہوں گے۔ اور وید
اور اس کے ریشیوں کا تعظیم و محبت کے ساتھ نام
لیں گے، (پیغام صلح صفحہ ۲۸)

(اے اہل اسلام) اگر آپ لوگ وید اور وید
کے ریشیوں کو سچے دل سے خدا کی طرف سے
قبول کر لو گے۔ تو ایسا ہی ہندو لوگ بھی اپنے
نجل کو دور کر کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
نبوت کی تصدیق کر لیں گے یہ تفرقہ جو گائے کی
کی وجہ سے ہے اس کو بھی درمیان سے اٹھا دیا جا
جس چیز کو ہم حلال جانتے ہیں ہم پر واجب نہیں
کہ ضرور اس کو استعمال کریں (پیغام صلح صفحہ ۲۹)
ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں۔ (پیغام
صلح صفحہ ۳۰)

ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔
(پیغام صلح صفحہ ۳۱)

جہاد جس کو حدیث نبوی میں ذوق سنام الاسلام
فرمایا گیا ہے اس سے عام غیر مسلم اور ہمارے پڑوسی دراپکتے
تھے اس لئے مرزا جی نے اعلان کیا کہ :-

اکبر کا دین الہی ایک دوسرے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔ یعنی لاندہی اور کوئی مذہب نہ رکھنا یہی ”خاکساری مذہب“ ہے اور یہی ”اکبر اعظم“ کا دین الہی تھا گویا کہ

وہی فتنہ ہے لیکن اب ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے۔ چنانچہ مشرقی کی کتاب ”تذکرہ“ اور اس کے اخبار اکابر کے کالموں کی ہر سطر اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ کچھ بھی نہیں یہ سب ”ملاؤں“ کی ایک بنی بنائی چیز ہے اور اس کی تمام تحریرات صرف اس مقصد ہی کے لئے ہیں۔ کہ دہریت والی کی اشاعت ہو جائے۔ چند عبارتیں پیش کرتا ہوں :-

تعب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب چاہے کون سا شارع کائنات کے منشاء کے عین مطابق ہے مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے۔ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے اور اس کا مقصد بالذات بعینہ کیا ہے۔ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی الخ (تذکرہ حصہ اردو دیا چھ ص ۸)

مشرقی کے نزدیک کوئی عقیدہ ”کوئی مسلک رکھنا ضروری نہیں

(بہمنے) بے خوف و خطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام ”عمل“ اور صرف ”عمل“ ہے جو عامل ہے اس کا عقیدہ بھی درست ہے۔ نہیں بلکہ اس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں۔

(دیا چھ تذکرہ ص ۸۶، ۸۷)

یہ نہ سمجھا جائے کہ عمل سے مراد وہ اعمال صالحہ ہوں گے جن کو حضور علیہ السلام سے لے کر آج تک تمام امت عمل سمجھتی

ان کے قلوب کا جو رشتہ قائم تھا وہ اور بھی مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ پان اسلامزم کے مقابلہ میں وہ ”وطنیت“ کے بُت کی پوجا کرنے کے لئے آمادہ ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے مرزا جی نے یہ بھی کوشش کی۔ کہ حرکت سے ان کا تعلق کاٹا جائے۔ اور اعلان کیا :-

”میرے وقت میں خدا نے حج کو حرام بنا کر دیا“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹)

اور نادانانہ جہلہ مرزائیوں کے لئے حج قرار پا چکا۔ الغرض مرزا جی نے خوب دل کھول کر شرارتیں کیں۔ علمائے اسلام کی تبلیغی خدمات کی برکت سے مسلمانوں کا سواد اعظم اس فتنہ سے محفوظ رہا۔ لیکن جب سیکرہ کذاب کے بلاؤں پر لاکھوں عقل کے اندھے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ تو چند ہزار حواس بانٹہ اور تہی مغزوں کا اس چودھویں صدی میں مرزا جی کے ارد گرد جمع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ۶

آنکھ کر اب سوز و گریہ لہجہ نہ باشد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عود عوداً، لوگوں کے سامنے پے در پے فتنے پیش ہوتے جائیں گے۔ ابھی مرزا جی کی غیر اسلامی تعلیمات کی گونج تھی ہی کہ اتنے میں اس کے دوسرے نائب نے دوسرے رنگ میں ظہور کیا۔

مشرقی فتنہ عنایت اللہ خان مشرقی نے تنظیم ”سیلجی کا شورا اٹھایا۔ اس کی ”متحدہ قومیت“ اور تمام ”اسلام“ سمٹ سٹا کر ایک سیلجی میں آگیا، سیلجی کے بغیر خواہ کوئی شخص کتنا ہی متقی اور خیر القرون کے مسلمان تو فی کا نمونہ ہو لیکن وہ ”صحیح معنی میں مسلمان نہیں“ لیکن فاسق و فاجر ہو، تمام عرفی شرعی گناہوں کا مرتکب ہو۔ ہندو ہو، سکھ ہو، پارسی ہو، عیسائی ہو لیکن خاکی وردی پہنے اور سیلجی ہاتھ میں لے کر چپ راست کرے، بس وہ مسلمان ہے۔ یعنی وہی

رہی ہے بلکہ ”عمل“ سے مراد صرف بیلچہ رکھنا۔ پر ٹیڈ کرنا۔ اور انگریزوں کو اسلامی دنیا اور ان کے لئے انڈے اور ان کے گھوڑوں کے لئے گھاس مہیا کرنا ہے۔ مشرقی کی برادری اس لحاظ سے بہت عام ہے۔ بت پرست، اور ہزاروں خداؤں کو پوجنے والے سب اس کے ہاں عابد خدا اور موصوف ہیں۔

اگر کوئی فریاد قوم اپنے ”اعمال“ میں خدا کے احکام پر عمل رہی ہے۔ اس کے قانون کی عملاً مطیع ہے۔ لیکن رسماً یا عادتاً یا رواجاً کسی بت، کسی پتھر کسی شمس و قمر کے آگے ماتھا ٹھیک رہی ہے تو وہ حقیقت خدا کی عابد ہے (الی قولہ) پتھر کی رسی پتیش یا خدا کے آگے رسی بچدے کر لینے سے کسی قوم کا فرد کے عابد خدا یا عابد ماسوا ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا (الی قولہ) اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موصوف ہے اگرچہ رسماً پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو۔ یا قولاً خدا کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو مگر ماسوا کی عبادت میں لگی ہے۔ تو وہ قوم مشرک اور کافر ہے۔ اگرچہ رسماً اور عادتاً خدا کے آگے سچوں کے انبار لگا کر کر رہی ہو (دیا چہ ص ۹)

ان ہندوؤں میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی پستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے۔ تو اس لئے ان کے تیس کروڑ بت دراصل بہت نہیں رہے (الی قولہ) ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے وہ دین اسلام پر عمل رہی ہے اس کو مشرک یا بت پرست کہنا اندھا پن ہے۔

(اخبار الاصلاح ۲۹ مارچ ۱۹۵۷ء ص ۱۵)

اس لئے مشرقی کے ہاں ”ہندو“ مشرک نہیں لکھا ہے۔

فوالله ما اشتغل الهنود | اللہ تعالیٰ کی قسم جس قدر تم
با صنائم الظاهر المحجرة | تفرقہ انگیز باطنی بتوں کی پستش

قط مثل ما تشغلکم اصنامکم | میں مشغول ہوں اس قدر نہندو
المباطنہ المفرقة، ووالله | اپنے پتھر کے ہٹائے ہوئے بتوں
ماہمہ بمشركين في عبادتهم | کی عبادت میں مشغول نہیں اور
الا حجامس متشامرا بالانتم | جس قدر اے مسلمانو تم مشرک ہو
تشرکون۔ | ہندوان بتوں کی پستش سے
(تذکرہ حصہ عربی ص ۱۲) | اس کا سوال حصہ بھی مشرک

نہیں ہیں۔

حقیقت میں مشرقی کا اصل مقصد یہ ہے کہ سب لوگ اس طرح ایک ہوں کہ لاندھی ان کا مذہب بن جائے۔ چنانچہ حسب عادت ایک جگہ تذکرہ میں ایک مہمل اور لاٹائل طویل عبادت میں یہ بتلا تا ہے کہ قرآن مجید اگر یورپ والوں کے مطالعہ میں ہوتا تو وہ اس سے یہ کام لیتے۔

سب بلا استثناء امدے ایک مذہب اور

ایک مسلک پر قائم ہو جاتے یا سب لاندھ بن

کر ایک ہو جاتے۔ (دیا چہ ص ۲۲)

مشرقی اپنی یہی تمنا پورا کر رہا ہے کہ ناواقف لوگوں کے سامنے ”قرآن کی نئی تشریح تذکرہ“ پیش کر کے سب کو لاندھ بنا کر ایک بنایا جائے۔ اور دیکھئے :-

پس اس دین متین کا رکن اعظم میرے نزدیک اتحاد

ہے (قرآن مجید کی وہ آیتیں جن میں مسلمانوں کو

آپس میں متحد رہنے کی تعلیم دکر کر کے کہتا ہے) نہیں

یہود کے مولے علیہ السلام کو مان کر یہود کو اپنی طرف

جذب کرنا ہے۔ نصاریٰ کے مسیح علیہ السلام کو تسلیم

کر کے نصاریٰ کو کھینچا ہے۔ یہود کے کرشن علیہ السلام

کے مقرر ہو کر یہود کو مرجا کر کشا ہے، گبر و ہرمن کو،

بدھ اور شدھ کو (الی قولہ) ان سب کو لے کر

ایک اسلامی جماعت اس قدر تنو مند غالب اس

قدر عالمگیر وسیع الخ میرے نزدیک اصل اسلام

یہی ہے۔ یہی قرآن کا اسلام ہے الخ (ص ۱۵ دیا چہ)

بہی وجہ تھی کہ صدر اسلام میں ختمِ رسال کا لایا ہوا
دین صرف ایک جمہوریت تھا۔ ایک بنی نوع انسان
کا بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا اختلاف قوم و مذہب
بھائی چارہ تھا۔ (دیباچہ ص ۶)

قارئین کرام خود سمجھ لیں کہ بلا اختلاف قوم مذہب بھائی
چارہ اگر لاندہ ہی کا اتحاد نہیں تو اور کیا ہے۔ اور حضور کا لایا ہوا
دین ایک جمہوریت ہو، یہ لادینی کی اشاعت نہیں تو اور کیا
ہے۔ آگے دیکھیے :-

دین کو (صحابہ) ”فرقہ بندی“ نہ سمجھتے تھے نصرانیوں
اور یہودیوں کے بالمقابل محمدی بننا اکثر نہ جانتے
تھے۔ (دیباچہ ص ۶)

خدا کے آخری رسول کو بت بنا کر ان کے پیچھے صف
آرا ہو جانا نہ تھا (ص ۶)

مشرقی کے ہاں مغربی قومی حقیقی مومن اور انعامات الہی
کی مستحق ہیں۔ لہذا بتلاتا ہے کہ وہ انعامات کے مستحق اس
لئے ہیں کہ

عیسویت، موسویت، ہندویت، محمدیت کی سب
اعتقادی بھول بھلیوں سے بے نیاز ہیں (ص ۶ دیباچہ)
خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی کوئی
تخصیص نہیں (تذکرہ حصار دوم مقدمہ ۵۵ اکاشیہ)

بہی بات ہے کہ دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے اپنے سے پہلے
پیغمبروں کی تصدیق کرتے رہے۔ بدھ نے کرشن کی
تائید کی۔ موسیٰ نے ابراہیم کی تصدیق کی، عیسیٰ
نے موسیٰ شریعت کو بنا قرار دیا۔ (الی قولہ) حتیٰ کہ
سکھ مت کے پیشوا نانک علیہ الرحمۃ نے بھی ختمِ رسال
اور باقی سب الٰہیوں کو برابر سمجھا۔ یہ سب آپس میں
راز و ان تھے۔ سب سیانے تھے۔ اور ایک ہی مت
رکھتے تھے الخ (دیباچہ ص ۳)

کرشن جی کو بھی علیہ السلام کہنا اور بدھ کو بھی۔ اور ان

جلد ۱۵ نمبر ۴
دونوں کو بھی انبیاء کی فہرست میں داخل کرتا ہے۔ نانک کو
تو علیہ الرحمۃ کہتا ہے لیکن تمام سلف صالحین، اولیاء کرام،
مجتہدین، و مفسرین اور محدثین کو گالیاں دیتا اور غوغا مچا
جہنمی قرار دیتا ہے، یا للعجب، یہ ہے مشرقی دھرم کی کارستانی
خلاصہ یہ ہے کہ مشرقی نے پوری سعی کی کہ مخلوط مذہب
بے دینی کا بنایا جائے اس لئے اس کی ”امت“ خاکساروں میں
ہندو، سکھ، وغیرہ بھی شریک ہوتے رہے۔ حج سے روکنے کے
لئے بھی ابتدائی مرحلہ شروع ہو چکا تھا کہ صرف جو ان جائیں مسجد
کے قیلے بھی غلط قرار دیئے گئے۔ کہ ان میں نماز نہ پڑھو۔ بلکہ
ان سب کو ”آتشیں اصطباغ“ دینا چاہئے، گزشتہ سال
مدرسہ سے واپس آنے کے بعد لاہور میں اس نے ”ہندو مسلم
اتحاد“ کی تحریک جس رنگ میں شروع کی اس سے عزائم کا نینہ
اور بھی خوب چل گیا۔ اوم کا جھنڈا لہرانا، شاہی مسجد میں ہندوؤں
سے تقریریں کرانا، اور لالہ کلیان داس کے ساتھ ”اتحاد کامل“
وغیرہ وغیرہ امور نے اس کے چہرے کا نقاب بالکل اتار دیا۔ اور
صاف معلوم ہوا کہ

نہ ستیز گاہ جہاں نئی نہ حریف پنہ ننگن نے
وہی فطرت اسد اللہی، وہی مرجی وہی عنتری

بعض کانگریسی حضرات کی متحدہ قومیت۔

انگریزوں کے مظالم اور ہندوستان کی تباہی و بربادی کو
دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کے دل میں آزادی وطن کا جذبہ
پیدا ہوا۔ اور اس کا پیدا ہونا ضروری اور فی الحقیقت ایک
فریضہ تھا، لیکن ہر کام میں انتہا پسندی اور حدود معینہ سے
تجاوز قابل تعریف چیز نہیں۔ آزادی وطن کر لئے لڑنے والی
مشترک قومی جماعت کانگریس میں بعض ”مسلمان کانگریسی“ متحدہ
قومیت اور مشترکہ محاذ کا ایک ایسا تخیل قائم کرنے لگے۔ جو مذہبی

لے ان کی نبوت کے مسئلہ کی پوری تحقیق اس مضمون کے آخر
میں کی جائے گی ۱۲

جس طرح کچھ عرصہ قبل بعض لوگ انگریزوں کی حکومت سے مرعوب ہو کر سرتاپا انگریز بننے اور ”صاحب“ ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی طرح اس قسم کے یہ قوم پرست ”اب“ خدا پرستی“ کو چھوڑ کر اس ”متحدہ قومیت“ کی تشکیل کی فکر میں لگے ہیں۔ جس کا ڈھانچہ ہندو اپنی پراچین تہذیب سے بنا کر اس کی تکمیل پھر اشتراکیت سے کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ بعض کانگریسی حضرات لاندہ ہی کو مذہب قرار دیکر مسلمانوں کو اس متحدہ قومیت میں شریک ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار ایک مضمون میں لکھ چکے ہیں :-

مختصر یہ کہ اخلاقی، سیاسی اور دوسرے تمام حکیمانہ تصورات کو قطعیت اور عملیت کا جامہ پہن کر مسلمانوں نے ہندوستان کے تخیل کو عمل کا آئینہ بنا دیا۔ بعض نے اپنے ولولہ و جوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید نظام مذہبی کی نشو و نما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جاسکتیں۔ اجنبی تھے لیکن انہوں نے جلد ہی اپنی قسمتوں کو اہل ملک کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ کر لیا۔

(جامعہ اکتوبر ۱۳۶۳ء)

آپ سمجھ ہوں گے کہ یہ ”جدید نظام مذہبی“ کا اشارہ کس چیز کی طرف ہے؟ یہ اشارہ اکبر کے دین الہی کی طرف ہے۔ کتنا مختصر اشارہ ہے۔ مگر ”قوم پرست مسلمان“ — مجموعہ صندین..... کی معراج تخیل کو کتنی صاف روشنی میں پیش کرتا ہے۔ اکبر کا یہ محسوس دور اسلامی ہند کی تاریخ میں پہلا ہے۔ جس میں سیاسی اغراض پر مذہب کو قربان کرنے کی ابتدا ہوئی۔ یہ پہلا فتنہ تھا۔ جس نے پوری طاقت کے ساتھ

لحاظ سے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ ہندو قوم کی موجودہ تنظیم اور ان کی مالی طاقت سے کچھ اس طرح مرعوب اور گاندھی جی کی سازش چالوں سے وہ لوگ کچھ اس طرح مسحور ہو گئے کہ وہ کامیابی اسی کو سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمان اپنے آپ کو ہر طرح سے ہندوؤں میں جذب کریں۔ تہذیب و تمدن، معاشرت و تعلیم اور دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی کے آئندہ نظام کی تشکیل اس طرح پر ہو جائے کہ ہندو مسلم اتحاد کا کامل نمونہ پیش ہو اور دونوں قوموں کے درمیان کوئی امتیازی فرق نہ رکھا جائے۔ گاندھی جی کا ”عدم تشدد“ بطور ایک وقتی آکر کار، اور مجبورانہ ذریعہ کے نہیں بلکہ ایک عقیدہ اور فلسفہ کے طور پر مان لیا جائے۔ یعنی مرزا جی کی وہی تعلیم ”اسے دو سنتو اب چھوڑ دو جہاد کا خیال“ ذرا خوبصورت اور ملمع الفاظ میں سیاسی لب و لہجہ سے پیش کیا جائے۔ گاندھی کی حیثیت صرف ایک سیاسی لیڈر کے نہیں بلکہ ایک روحانی ہستی کے طور پر، اور اس کی ”اندک کی روشنی“ اور ”ضمیر کی آواز“ کو کشف والہام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمارے غیور اور خالص مذہبی مسلمانوں سرحدی افغانوں کو عبدالغفار خاں اور اس کے بھائی ڈاکٹر خان وغیرہ نے گاندھی جی کے پاؤں ڈال دیا اور اسی ”متحدہ قومیت“ کے ماتحت ”مسلمان لیڈر“ ڈاکٹر خان نے جس وقت سنگم کی آغوش میں چلے جانے پر اپنی نور نظر لڑکی کو ”شیر باد“ دی۔ اور اس کی آزادی میں خلل انداز ہونا اس کی حق تلفی سمجھا، اور اس کے بھائی عبدالغفار خان نے اپنے خضر افغانہ ”ہونے کا ثبوت یہ دیا۔ کہ پارسی عورت کو اپنی بہو بنا بیٹھلے لاتنکو والمشرکات اور لاتنکو والمشرکین تو اس قرآن کی آیتیں ہیں جو کہ ”عرب کی سرزمین میں کسی پیغمبر نے جاہل عربوں کو اس ماحول کے موافق قومی فائدہ سمجھ کر فرمایا تھا“ ”متحدہ قومیت“ کے مذہب کی کتاب میں نہ یہ آیتیں ہیں اور نہ وہاں پر ”مسلمانوں“ کے لئے ایسے افعال سے احترازی کوئی تاکید ہے۔

الحادویہ دینی پھیلا کر ہندوستان کے مسلمانوں کو ”وطنی قومیت“ میں جذب کرنے کی کوشش کی۔ اس دور کے تمام صلحاء امت اس فتنہ پر جتھ اٹھے تھے۔ حضرت محمد سرسندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا اور وامصیبتاۃ وامصیبتاۃ واسفا، واسفا کہہ کر درود لکھا نظاریوں کیا تھے

”اچھ من گم کردہ ام گرازیلیاں گم شدے

ہم سیماں ہم پری ہم اہر من بگریستے

اسی ناپاک دور کے اثرات تھے جنہوں نے داراشکوہ کی صورت میں جنم لیا تھا۔ اسی زہر کو دور کرنے کے لئے سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ پچاس برس تک جدوجہد کرتے رہے۔ اور یہی زہر آخر کار مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو گھن کی طرح کھا گیا۔ اور سیاسی حیثیت کے ساتھ مذہبی اور روحانی سبوتوں میں بھی اسی وجہ سے گرتے چلے گئے۔ اور بدعات نے حسنا

کی صورت میں ہمارے رگ وریشہ میں گھر کر لیا۔ ان مسلمانوں میں قوم پرستی کی تحریک جدیدہ واصل اسی مہدانی تحریک کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ اور اسی زمانہ کے ”ابوالفضل اور فیضی“ بڑی بڑی ڈگریوں کے اسحو سے لیس ہو کر یہ سیاسی وعظ فرما رہے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اس فتنہ عظیم کو فتنے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ”خیر القرون“ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ وہی ”اسوہ حسنہ“ پیش کرتے ہیں اور وسوسہ حاصل کرنے کے لئے اسی

کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک متحدہ قومیت کی آفرینش کا یہ پہلا تجربہ ہندوستانی مسلمان کی ”خدمات“ میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے ذہن میں ”متحدہ قومیت“ کا تصور بس یہی ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی قسمتوں کو اسی طرح اہل ملک کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ کر لیں۔

اور اپنے اسی مضمون میں ڈاکٹر صاحب آگے چل کر دیا

اور بھی خوب کھلے ہیں۔

لیکن اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی راہ پر گامزن ہوں جو اکبر اور دوسرے ازمنہ وسطی کے حکمرانوں نے بنا دی تھی تب تو ہمیں عزم و استقلال کے ساتھ ہمیشہ نہ صرف اسی راہ چلنا چاہئے بلکہ ہمارے پیشے اور رسوم میں بھی یکسانیت ہونی چاہئے۔ بعض کے نزدیک تو اس حل میں بھی مسلم اقلیت کے لئے ایک مضرت ہے۔ لیکن اس کا کوئی چارہ کار نہیں اور چونکہ کوئی تیسرا حل موجود نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو ملک کی خاطر اور اپنی خاطر اسے قبول کرنا چاہئے۔

اس واضح اور صاف عبارت کی اور کیا تشریح کی جائے۔ مافی الضمیر بالکل عیاں ہو کر سامنے آگیا۔ مسلمان اکبر کی راہ پر گامزن ہوں یعنی ہندوستان کی کان نمک میں نمک بننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کا علیحدہ مذہبی لفظ ”مسلم“ سے موسوم ہونا بھی گوارا نہیں اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب مشورہ دیتے ہیں جس کی طویل عبارت میں سے چند جملے یہ ہیں :-

لفظ ہندی کو زبان کے لئے نہیں بلکہ اہل ہند کے

لئے اختیار کرنا چاہئے۔۔۔ اب وقت آگیا ہے

کہ ہم سب ایک مشترک نام اختیار کر لیں۔

یعنی مسلمان اپنے آپ کو آئندہ صرف ”ہندی“ ہی کہیں۔ کوئی ایسا نام جس سے ان کا علیحدہ مذہبی قوم ہونا معلوم ہو سکے لینا جرم ہے۔

اور صرف ڈاکٹر صاحب نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر اشرف صاحب، منظر رضوی، اور دوسرے حضرات اپنے اس قسم کے خیالات کا اظہار بارہا تقریر و تحریر میں کر چکے ہیں۔ اور بلا کھٹکے بلا لومڑا لٹاؤں کے نیکی کی چوٹ اپنے ان نظریات کو حق سمجھتے ہوئے اس کی دعوت دیتے ہیں۔ کس کس کے مضامین و تقاریر کے اقتباس پیش کئے جائیں۔

یہی وہ چیز ہے جس کو ہندو چاہتے ہیں کہ مسلمان قبول کر کے ہم میں مدغم ہو جائیں۔ اور پنڈت جو اہر لال نہر داسی "قومیت متحدہ" کو پیش کرتا اور اسی کی طلب میں سعی و سرگردان ہے۔

ہندوستان میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ایک متحدہ قوم پیدا ہو۔

(مضمون پنڈت جی مطبوعہ جامعہ اکوٹر ۱۹۳۷ء)
اور اپنے اس مقصد کے حصول ہی کے لئے تجاہل عارفانہ کر کے پنڈت جی کہتے ہیں کہ۔

میں نے یہ سمجھنے کی بہت کوشش کی کہ "یہ اسلامی تہذیب" کیا ہے۔ لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس میں کامیاب نہ ہوا، نیز فرماتے ہیں مسلم قوم کے وجود کا خیال چند لوگوں کی قوت و اہمہ کا کرشمہ ہے۔ اگر اخبارات اس خیال کو اس قدر شہرت نہ دیتے۔ تو یہ نام بھی بہت کم لوگوں نے سنا ہوتا۔ اور اگر بہت سے لوگ اس پر یقین بھی رکھتے۔ تب بھی حقیقت کی ایک جھلک اس کو کا فور کر دیتی۔

(پنڈت جی کی خود نوشت سوانحی)
یہ "متحدہ قوم" پیدا کیسے ہوگی۔ اور چند لوگوں کی قوت کے کرشمہ "مسلم قوم" کے وجود اور اس کے نام کو کون سی حقیقت کی جھلک سے کا فور کیا جائے گا۔ اس کے لئے یوپی کے سابق وزیر تعلیم سید راشد کا "ارشاد" ملاحظہ ہو۔

ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اس کو مدارس میں جاری رکھنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہیے۔ جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی۔ تب ہی ہندوستانی تہذیب

زندہ رہ سکے گی۔ (مجموعہ دستخط)

ہندو تہذیب اور ہندو تہذیب کے متعلق بطور بالا میں عرض کر بھی چکا ہوں اور خود پنڈت نہر داسی کی شہادت بھی موجود ہے۔ اب ایک دفعہ ہمیں لیجئے کہ ہندوؤں کی کوئی مخصوص تہذیب نہیں۔ اسی لئے آپ جب کبھی نہیں کہہ سکتے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخصوص تہذیب کو متا دیا جائے تو بلا تامل سمجھ لیجئے کہ اس سے مسلمانوں کی تہذیب و مذہب کو مٹانا مقصود ہے۔ ہندو کا لفظ ساتھ ساتھ اس لئے چسپاں کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہٹک نہ جائیں۔ کیونکہ ظاہر ہے جب ہندوؤں کا کوئی خاص مذہب و مسلک نہیں۔ کوئی تہذیب نہیں، تو ان کا مٹے گا کیا۔ وہ تو جس سانچے میں ڈھالے جائیں گے ڈھل جائیں گے اور پھر وہی ہندو ہی رہ سکتے ہیں مگر مسلمان اپنے حدود سے تجاوز کر جائے تو پھر وہ "شرعی مسلمان" نہیں رہتا ہاں اگر "مسلمان" کسی خاص موسائی یا نسل کا نام ہو تو البتہ وہ پھر "مسلمان" رہے گا۔ مگر واقعہ تو ایسا نہیں۔

ایک ضروری تنبیہ۔ کہ شاید کوئی کاچھور اور جنگ آزادی سے جان چرانے والا اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کرنے والا اس تحریک کو اپنی ناسید سمجھ لے گا۔ اصل کو ایک بہانہ بنا کر عملی میدان میں آنے والے تمام کارکنوں کے اقدام کو مطلقاً غلط قرار دے گا۔ اور چونکہ علمائے کرام پر تنقید اور ان کی تنقیص و توہین کے لئے اس زمانہ میں موقع ملنے کی خاص تلاش رہتی ہے۔ اس لئے علمائے کرام کی جماعت پر زیادہ برس پڑے گا۔ کہ دیکھو، یہی علماء ہی تو ہیں جو کانگریس کی آغوش میں جا کر ہندوؤں کی طاقت بڑھا رہے ہیں اور متحدہ قومیت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی ذرا صاف کر دیا جائے اگرچہ طوالت کا خوف قدم قدم پر ربط و شرح سے مبالغہ ہے لیکن کوشش کروں گا کہ مختصر طور پر یہ بات ہمشادوں،

کہ ”متحدہ قومیت“ کا وہ تصور جس کو بعض کانگریسی اور ”قوم پرست“ حضرات پیش کرتے ہیں۔ وہ اور شے ہے اور سر اس پر غیر اسلامی، اور مسلمانوں کے لئے قومی مذہبی ہر لحاظ سے مضر، اور اس لئے قابلِ مدح و ملامت اور علمائے کرام جس ”متحدہ قومیت“ کی طرف دعوت دیتے اور مسلمانوں کو اس میں شامل ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں وہ اور چیز ہے۔ نہ وہ مذہبی لحاظ سے مسلمانوں کیلئے مضر رسالہ اور ممنوع و حرام اور نہ قومی لحاظ سے وہ مسلمانوں کے حق میں خطرناک اور قابلِ اجتناب؛ بلکہ موجودہ حالات میں جب کہ تمام ہندوستان یکساں طور پر انگریزوں کی اجنبی قوم کے اقتدار کے پنجوں میں بے دست و پا اور تباہ حال ہے اور مسلمانوں کو ملکی نقصانات اور مادی تباہ حالیوں کے ساتھ ساتھ مذہبی طور سے بھی اس قدر ہمارا دیکھا گیا ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ تو ایسے وقت میں جب تک ایسا مشترکہ محاذ قائم نہ کیا جائے جس میں تمام اقوام ہندو شریک ہو کر بیک آواز حکومتِ مستعظمہ کا مقابلہ نہ کریں۔ انفرادی طور سے جدوجہد کامیاب نظر نہیں آتی اور ہماری باہمی خانہ جنگیوں اور اندرونی

اختلافات سے ہمیشہ فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر جس طرح قبضہ جایا گیا ہے اسی طرح اب بھی ان اختلافات کو بہانہ بنا کر قبضہ باقی رکھا جا رہا ہے۔ لہذا جہاں تک ہو سکے ہر ممکن کوشش سے اس بہانہ کا موقع نہ دینا چاہئے۔ اور تمام ہندوستان کی مشترکہ جماعت کانگریس میں داخل ہو کر اپنا مطالبہ بیک آواز پیش کرنا چاہئے۔ یعنی اس ”متحدہ قومیت“ کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ اپنے مقابل برطانیہ کی مخالفت میں ہماری آواز ایک ہو۔ اور اپنے اس مطالبہ آزادی کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا جائے اس میں صرف باہمی اشتراک عمل ہو۔ اس کے علاوہ باقی تمام مذہبی، تمدنی، معاشرتی، تعلیمی امور میں سے کسی میں بھی ہندوؤں کے ساتھ نہ ہمارا اشتراک ہو سکتا ہے اور نہ ہونا چاہئے بلکہ ان تمام امور میں مسلمانوں کی امتیازی خصوصیات اور لوازمات کو باقی رکھنے کی پوری کوشش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ جنگ میں علمائے کرام عام کانگریسوں سے چند قدم آگے رہنے کے باوجود بھی مسلمانوں کے مذہبی اور خصوصی معاملات میں کانگریس سے، ہندوؤں سے، کانگریسی مسلمانوں سے الجھتے ہی رہتے ہیں اور ان کو صاف تنبیہ کرتے ہیں کہ ہم اپنے خصائص میں سے کسی

اطلاعات

دارالعلوم عزیزیہ کاشٹماہی امتحان - ۱۹ مئی روز شنبہ کو دارالعلوم عزیزیہ کاشٹماہی امتحان

نمبر دیئے گئے۔ ہر کتاب میں اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے والے طلبہ کو انعامی کتابیں تقسیم کی گئیں۔ تاکہ طلبہ میں مزید شوق پیدا ہو اور امتحان سالانہ میں اعلیٰ نمبروں پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے خاص محنت اور جدوجہد شروع کریں اس دفعہ امتحان میں ترجمہ قرآن مجید، بیضاوی شریف، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ہایہ آخرین، ہایہ اولین، شرح وقایہ، کنز الدقائق، قدوری، نور الایضاح، مختصر المعانی، شرح جامی ابن عقیل، ملا حسن، حمد اللہ، قطبی، مسلم الثبوت، ہدیہ سعیدیہ، کافیہ اور ان کے علاوہ صرف دو نحو و منطق کے ابتدائی رسالے شامل تھے دارالعلوم عزیزیہ کی تدریس کا کام نہایت خوش اہلوی اور باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے اور مدین و طلبہ ہر تن تعلیم و تعلم کے شغلیں میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔

۲۔ مدرسہ عزیزیہ داربرٹن کے طلبہ کا امتحان امیر حزب الانصار و مولوی محمد حنیف صاحب گجراتی نے لیا۔ مدرسہ کی حالت عمدہ ہے۔ اور طلبہ کی استعداد بھی اچھی ہے۔

۳۔ امیر حزب الانصار نے بر فاقہ مولوی احمد یار صاحب مبلغ ماہ مئی میں علی (شاہ پور) میانوالی۔ نوشہرہ (زیارت کا صاحب) پشاور۔ راولپنڈی (شہر) راولپنڈی (ہنچ بھانہ) ترک (ضلع میانوالی) پپلاں (ضلع میانوالی) ڈیرہ اسماعیل خان۔ ریاست بہاولپور کا دور کیا